بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ

اشتیاق احمد ظلی

ابھی مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے سانحہ ارتحال کا زخم مندمل نہیں ہوا تھا کہ مدرسۃ الاصلاح کے ایک اور عظیم فرزند اور مکتب فراہی کے رکن رکین نے اس عالم آب و گل کو خیرباد کہہ دیا اور اپنے خالق و مالک کے حضور حاضر ہوگئے۔ دینی، علمی اور دعوتی حلقوں میں یہ خبر بڑے رنج و غم کے ساتھ سنی گئی کہ ۱۳ر نومبر ۱۹۹۸ء کو صبح ساڑھے چھ بجے پھول پور، اعظم گڑھ میں ۸۲ سال کی عمر میں نامور عالم دین، صاحب بصیرت مفکر اور بلند پایہ مصنف مولانا صدرالدین اصلاحیؒ نے جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کے انتقال سے دینی علمی حلقوں میں جو خلاء پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا مشکل ہے۔ قرآنی علوم سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے ایک سال کے مختصر عرصے میں یہ دوسرا سانحہ ہے۔ یہ احساس اس سانحہ کی شدت کو دوچند کردیتا ہے کہ اس قد و قامت کی کوئی اور شخصیت ہمارے درمیان نہیں رہ گئی جس کو ایسا علمی رسوخ اور قرآنی بصیرت حاصل ہو۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وادخلہ فسیح جناتک۔

مولانا کا آبائی وطن ضلع اعظم گڑھ کا ایک مردم خیز قریہ سیدھا سلطانپور تھا۔ اس قریہ کے فرزندوں میں بہت سے اہل علم و دانش شامل ہیں جن میں مولانا محمد شفیع صاحبؒ بانی مدرستہ الاصلاح کا علمی خانوادہ خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ مولانا فراہی کے شاگرد رشید شیدائے قرآن مولانا اختر احسن اصلاحیؒ کا یہاں ننہال تھا لیکن وہ یہیں متوطن ہوگئے اس لئے اس گاؤں کے فضلاء میں ان کا شمار بھی نامناسب نہیں ہوگا۔ چنانچہ پٹھانوں کی اس بستی میں علم و فضل کی روایت پرانی تھی۔ یہیں ۱۹۱۶ء میں مولانا کی ولادت ہوئی۔ آپ کے والد

ماجد عبدالجلیل خاں صاحب حافظ قرآن تھے۔اور زندگی بھر درس و تدریس سے وابستہ رہے۔
مولانا کا نانہال ہندوستانی مسلمانوں کے معلم اول علامہ شبلی نعمانیؒ کا وطن بندول تھا۔ عہد طفولیت بندول میں گذرا اور ابتدائی تعلیم یہیں پرائمری اسکول میں حاصل کی۔ ثانوی تعلیم مڈل اسکول بلریاگنج میں پائی۔ مدرسۃ الاصلاح کے ریکارڈ کے مطابق یکم نومبر ۱۹۲۹ء کو مدرسۃ الاصلاح میں داخلہ لیا اور ۱۹۳۷ء میں فراغت حاصل کی۔ مدرسۃ الاصلاح سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا لیکن وہاں کسی باعث چند ماہ سے زیادہ سلسلہ تعلیم جاری نہ رہ سکا۔

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ فضلاء مدرسۃ الاصلاح کی اس پیڑھی سے تعلق رکھتے تھے جن کو مولانا فراہیؒ سے استفادہ کا موقع تو نہیں ملا لیکن ان کو دیکھنے کی سعادت ضرور ملی۔ مولانا مدرسۃ الاصلاح میں یکم نومبر ۱۹۲۹ء کو وارد ہوئے اور مولانا فراہی نے ۱۱/ نومبر ۱۹۳۰ء کو اس خاکدان ارضی کو خیر باد کہا۔اس طرح مولانا کے مدرسۃ الاصلاح میں داخلہ لینے کے پورے ایک سال بعد تک مولانا فراہیؒ مدرسہ سے وابستہ رہے۔ یہ وہ وقت تھا جب مدرسہ مولانا فراہیؒ کی ذاتی نگرانی اور رہنمائی میں ایک انقلابی تجربے سے گزر رہا تھا۔ مولانا فراہی نے جس عظیم الشان اصلاحی مشن کی داغ بیل ڈالی تھی اسکا ایک اہم جزء نظام تعلیم کی اصلاح تھا۔ نظام تعلیم میں وہ نہایت بنیادی اور دوررس اہمیت کی تبدیلیاں کرنا چاہتے تھے۔اس اہم تجربے کے لئے انھوں نے مدرسۃ الاصلاح کو منتخب کیا۔ گو مدرسۃ سے ان کا تعلق بالکل ابتداء سے تھا اور ۱۹۱۶ء سے وہ حیدر آباد رہتے ہوئے اس کی نظامت کی ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے تھے لیکن ۱۹۲۰ء میں انھوں نے حیدر آباد اور اس کی بیش قرار ملازمت کو خیر باد کہ کر پوری یکسوئی سے اپنے آپ کو اس کام کے لئے وقف کر دیا اور ۱۹۳۰ء میں اپنے دم واپسیں تک پوری تندہی سے اس خدمت میں مصروف رہے۔ انھوں نے اس کے اغراض و مقاصد کا خاکہ تیار کیا۔ اس کا نصاب تعلیم متعین کیا۔ مختلف علوم وفنون کی تعلیم و تدریس کے لئے اساتذہ کی تربیت کی اور ان سب سے زیادہ قرآن حکیم کو پڑھنے اور اس پر تدبر کے طریقے سکھائے۔ انھوں نے اپنی عمر کے آخری دس سال اس مدرسہ کو وہ رخ دینے اور اس نہج پر چلانے میں صرف کیا جو انھوں نے اس کے لئے متعین کیا تھا۔ اس نئے نظام تعلیم کا سب سے واضح اور اہم پہلو قرآن مجید کی محققانہ تعلیم تھا جسے اصل کا مقام دیا گیا تھا دوسرے تمام علوم اس آفتاب عالمتاب کے گرد گھومتے تھے جیسا کہ اس کی اہمیت کا واقعی تقاضا

ہے۔اس نصاب تعلیم کا ایک اور اہم پہلو یہ تھا کہ حدیث اور فقہ کی تعلیم جماعتی اور مسلکی عصبیت اور تحزب سے پاک ہو تاکہ طلبہ کے اندر وسعت نظر اور رواداری پیدا ہو۔

مولانا صدر الدین اصلاحی نے جب مدرسۃ الاصلاح میں داخلہ لیا تو یہ انقلابی مہم اپنے نقطہ عروج پر تھی۔یہ مولانا فراہیؒ کی عمر کا آخری سال تھا اور اب ان کی انتھک محنت اور کوشش کے ثمرات ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے۔جو اساتذہ اس وقت مسند درس و تدریس پر فائز تھے ان میں مولانا شبلی متکلم ندوی، مولانا محمد سعید ندوی، مولانا عبدالصمد ندوی اور مکتب فراہی کے خصوصی تربیت یافتگان مولانا اختر احسن اصلاحی، مولانا امین احسن اصلاحی، اور مولانا نجم الدین اصلاحی رحمہم اللہ شامل تھے۔یہ مدرسۃ الاصلاح کا عہد زریں تھا۔اساتذہ او رطلبہ سب ایک اصلاحی اور تعمیری جذبے سے سرشار تھے۔ایک عظیم الشان فکری اور اصلاحی مشن کا حصہ ہونے کا احساس سب کو تھا۔ایک تڑپ ایک جذبہ کچھ کرنے اور بننے کا ولولہ سب کے دلوں میں موجزن تھا۔ایسے مثبت، تعمیری اور انقلاب آفریں ماحول میں خاص کر ان طلبہ کے لئے جو اوسط سے اوپر تھے اور جن کو مبدا فیض سے استعداد و صلاحیت کا وافر حصہ ودیعت ہوا تھا،ابھرنے اور نکھرنے کے بڑے مواقع تھے۔مولانا صدر الدین اصلاحی ایک ایسے ہی ذی استعداد اور باحوصلہ طالب علم تھے اور مدرسۃ الاصلاح کی وادی غیر ذی زرع میں برپا اس خاموش انقلاب کا ایک حصہ تھے۔اپنی خداداد صلاحیتوں کے باعث وہ اس ماحول سے خوب خوب مستفید ہوئے۔قرآن مجید سے والہانہ وابستگی، علم کی پیاس، تحقیق کی لگن، غور و فکر کی عادت اور اپنے نتائج فکر اور حاصل مطالعہ کو دوسروں تک پہونچانے کے لئے قرطاس و قلم کا سہارا لینے کا شوق اسی دور کی یادگار ہے۔اس کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس زمانہ میں جب کہ ابھی وہ طالب علم ہی تھے ان کے مضامین ترجمان القرآن میں شائع ہونے لگے تھے۔چنانچہ ان کا پہلا مضمون ''نکاح کتابیہ'' ۱۹۳۶ء میں ترجمان القرآن میں شائع ہوا۔اس عہد کا دوسرا مضمون ''مسلمان اور امامت کبریٰ'' جو ۱۹۳۷ء میں شائع ہوا تھا پچھلے دنوں کتابی صورت میں شائع ہو گیا ہے اس سے دور طالب علمی میں ان کی ذہنی و فکری سطح کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

مولانا مودودیؒ سے ان کا ربط مدرسۃ الاصلاح کے زمانہ طالب علمی میں قائم ہو چکا تھا اور ان کے بعض مضامین 'ترجمان القرآن' میں شائع ہو چکے تھے جو ان دنوں مولانا کی ادارت میں

حیدر آباد سے شائع ہوتا تھا۔ ۱۹۳۸ء میں جب مولانا مودودی نے پٹھانکوٹ میں ادارہ دارالاسلام کی بنیاد رکھی تو مولانا صدر الدین اصلاحی اس کے پانچ تاسیسی ممبروں میں شامل تھے۔یہ ان کی طالب علمی کے معاً بعد کا زمانہ ہے۔اس سے ظاہر ہے کہ اپنی آئندہ زندگی کے مقاصد وترجیحات اور سمت سفر کا تعین انھوں نے اپنے زمانہ طالب علمی ہی میں کرلیا تھااور روز اول انھوں نے جو راستہ اپنے لئے منتخب کیا تھاپوری استقامت اورپامردی کے ساتھ آخر تک اس پر گامزن رہے اور راہ کی دشواریوں کے باعث ان کے پائے استقامت میں کبھی لغزش نہیں آئی۔ جماعت اسلامی کی تاسیس کے وقت وہ ہندوستان سے دور برما میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے، لیکن مولانا مودودی کو تحریک کے مقاصد سے انکی وابستگی پر اتنا بھروسہ تھا کہ ان کی باقاعدہ اجازت کے بغیر ان کی ادارہ دار الاسلام کی رکنیت جماعت اسلامی کو منتقل کردی گئی اوران کو مطلع کردیا گیا۔ جماعت اسلامی کی تاریخ میں یہ اپنی نوعیت کا منفرد واقعہ ہے۔ ۱۹۴۴ء میں برما سے واپسی کے بعد ۱۹۴۵ء میں وہ پھر پٹھانکوٹ چلے گئے اور وہاں ان کا قیام ۱۹۴۶ء تک رہا۔اسی سال منتظمین مدرسۃ الاصلاح کی تحریک پر مولانا مودودی نے انہیں مادرِ علمی کی خدمت کے لئے فارغ کردیااور وہ یہاں ۱۹۴۹ء تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ جماعت اسلامی ہند کے قیام کے وقت وہ مدرسۃ الاصلاح میں استاذ تھے اور جماعت کے پہلے منتخب امیر مولانا ابواللیث اصلاحی ندویؒ بھی اس وقت وہیں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے۔یہی وجہ ہے کہ جماعت اسلامی ہند کا پہلا مرکز مدرسۃ الاصلاح تھا۔

مولانا صدر الدین اصلاحی جماعت اسلامی ہند کے اہم ترین فکری رہنما تھے۔ عملاً بھی انھوں نے مختلف مواقع پر جماعت کی قیادت کی چنانچہ انھوں نے نہ صرف ۱۹۵۴ء میں چند مہینوں کے لئے امیر جماعت کی حیثیت سے کام کیا بلکہ مختلف اوقات میں قائم مقام امیر کے فرائض بھی انجام دئے اور جب تک صحت نے اجازت دی جماعت کے اعلیٰ ترین فیصلہ ساز اداروں کے رکن رہے۔ ثانوی درسگاہ رام پور کے از اول تا آخر ناظم رہے اس کے علاوہ ابتداء ہی سے جماعت کے تصنیفی شعبہ کے سربراہ رہے۔جب ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ کا قیام عمل میں آیا تواس کی سربراہی کی ذمہ داری بھی مولانا ہی کو تفویض کی گئی اور وہ ۱۹۸۴ء تک اس کے صدر رہے اسی سال خرابیٔ صحت کے باعث اس ذمہ داری سے سبک دوش ہوگئے۔

ان سب کے باوجود واقعہ یہ ہے کہ ان کا اصل میدان کار تحقیق و تصنیف تھااور ان کے جوہر اسی میدان میں کھلے۔تحریک اسلامی کیلئے مضبوط فکری اور نظریاتی اساس فراہم کرنے کے سلسلہ میں انھوں نے جو بنیادی اہمیت کا کام کیا ہے جماعت اسلامی کی تاریخ میں اس کوئی مثال نہیں ہے۔مزید براں تحریک کے وابستگان اور کارکنوں کی ذہنی ،فکری اور عملی تربیت کے لئے ضروری لٹریچر کی تیاری اور ان کیلئے فکری غذا کی فراہمی کے میدان میں مولانا نے کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ نظریاتی تحریکوں کی کامیابی اور ناکامی میں اس عنصر کو جو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے اہل نظر اس سے بخوبی واقف ہیں۔اس مقصد سے انھوں نے بے شمار مضامین کے علاوہ دو درجن کے قریب نہایت وقیع تصنیفات کا گراں قدر سرمایہ یادگار چھوڑا ہے۔ قرآن مجید اور قرآنی علوم سے ان کو خصوصی شغف تھااور یہ ان کی جملہ تصنیفات کا سب سے نمایاں پہلو ہے۔وہ پیش آمدہ مسائل کا مطالعہ بنیادی طور پر قرآن مجید کی روشنی میں کرتے ہیں اور ان کا حل خالص قرآنی ہدایات و تعلیمات میں تلاش کرتے ہیں۔بالغ نظری، فکری پختگی،اعلی تحقیقی معیار ،رچا ہوا اسلوب نگارش، گٹھی ہوئی تحریر، نپا تلا انداز بیان انکی تصنیفات کی نمایاں خصوصیات ہیں بسیار نویسی اور طول بیان انکی عادت نہیں۔مختصر ترین الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معانی و مفاہم کی تفہیم و ترسیل ان کی تحریر کا امتیازی وصف ہے۔دریا کو کوزے میں سمیٹنے کا فن ان کو خوب آتا ہے۔

مولانا کی تصانیف میں قرآن مجید کا تعارف ،دین کا قرآنی تصور ،اساس دین کی تعمیر، معرکہ اسلام وجاہلیت، حقیقت نفاق،اور اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ بڑی معرکۃ آلاراء کتابیں ہیں اور ان کے محتویات کا فکری معیار بہت بلند ہے۔ان کا ایک بڑا کام مولانا مودودیؒ کی مبسوط تفسیر تفہیم القرآن کی تلخیص ہے۔انھوں نے خود بھی تیسیر القرآن کے نام سے ایک عام فہم تفسیر لکھنی شروع کی تھی جو سورہ بقرہ سے آگے نہ بڑھ سکی۔یہ تفسیر بالاقساط ماہنامہ زندگی میں شائع ہو چکی ہے۔بنیادی طور پر یہ تفسیر بھی فراہی مکتب تفسیر سے تعلق رکھتی ہے اور اگر مکمل ہو سکی ہوتی تو تفسیری لٹریچر میں ایک گراں قدر اضافہ ہوتی۔

مولانا کی کتابوں کا اگر بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو صاف محسوس ہوگا کہ ان کی علمی اور فکری کاوشوں میں چند پہلو بہت نمایاں ہیں۔ان فکری خصوصیات کے معروضی تجزیہ سے ان کی تشکیل میں بعض عوامل کی کارفرمائی واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔اس امر میں شبہ کی گنجائش کم

ہی نظر آتی ہے کہ ان کے فکر کی صورت گری میں دور طالب علمی میں ان کی مادر علمی میں پائی جانے والی خاص ذہنی اور فکری فضا اور رویوں کا بہت کچھ دخل رہا ہے۔ قرآن مجید سے شغف اور اس پر غور وفکر کی ضرورت واہمیت کا احساس انہیں اسی دور میں ہوا اور ان کے فکر کی تشکیل و تعمیر میں اس کا جو غیر معمولی حصہ رہا ہے اس سے اہل علم بخوبی واقف ہیں۔ فکر فراہی سے وہ یہیں روشناس ہوئے اور قرآن کی فہم اور اس کی تشریح و تفسیر میں ان کے یہاں اس فکر کو جو اہمیت حاصل ہے وہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ شاہ ولی اللہؒ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے افکار سے بھی وہ یہیں روشناش ہوئے۔ شاہ صاحب کی شہرہ آفاق تصنیف حجۃ اللہ البالغہ مدرسۃ الاصلاح کے نصاب تعلیم کا ایک اہم حصہ رہی ہے اور اس کے اسطہ سے ولی اللہی افکار و نظریات سے طلبہ روشناس اور متاثر ہوتے رہے ہیں۔ اور جب برصغیر کی بیشتر درس گاہوں میں ابن تیمیہ کا ذکر بھی گوارانہ تھا اس وقت بھی مدرسۃ الاصلاح میں ان کے نام اور کام کا غلغلہ بلند تھا۔ اسی طرح اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ جس فکری اور مسلکی توسع کی غماز ہے وہ بھی مدرسۃ الاصلاح کا نشان امتیاز ہے۔ مدرسۃ الاصلاح میں فقہ کی تعلیم مسلکی تحزب و تعصب سے بلند ہو کر دی جاتی ہے تا کہ طلبہ کے اندر تکفیر و تفسیق اور فضول مذہبی منافشات کا کوئی ولولہ نہ ابھرے۔

چنانچہ صاف نظر آتا ہے کہ مولانا کے بنیادی افکار و نظریات کی جڑیں مدرسۃ الاصلاح کے علمی اور فکری پس منظر میں پیوست ہیں۔ بعد میں ان کی ذاتی دلچسپی، مطالعہ و تحقیق اور غور فکر کے نتیجہ میں یہ ایک منظم اور مربوط فکر کی صورت میں انکی تحریروں میں ظاہر ہوئی۔ مزید براں تحریک اسلامی کے مقتضیات اور اس کے فکر و فلسفہ کی چھاپ فطری طور پر ان کی تحریروں میں نمایاں ہے اس لئے کہ انھوں نے اپنی پوری زندگی اس کے لئے وقف کردی تھی علمی طور پر یہ بات بہر حال بہت اہمیت کی حامل ہے کہ مولانا نے تحریک اسلامی کی فکری اور عملی رہمائی کے لئے متعدد انہیں موضوعات کا انتخاب کیا ہے جن سے دوران طالب علمی ان کی مادر علمی کے مخصوص فکری پس منظر کے باعث ان کی وابستگی ہو چکی تھی۔ ان موضوعات پر انھوں نے جو وقیع لٹریچر فراہم کیا ہے اس کی واقعی قدر و قیمت کا اندازہ دراصل ان اثرات میں تلاش کرنا چاہئے جو بنیادی طور پر برصغیر میں برپا تحریک اسلامی پر مرتب ہوئے۔

علمی، تحقیقی اور تصنیفی مشغولیات کے ساتھ ساتھ تدریس اور مدارس سے بھی مولانا کا

گہرا تعلق رہا ہے اور زندگی کے مختلف مراحل میں انھوں نے متعدد درس گاہوں میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ان کی تدریسی زندگی کی ابتداء موضع کوہنڈہ، ضلع اعظم گڑھ کی درس گاہ سے ہوئی جہاں انھوں نے طالب علمی کے بعد کے ابتدائی ایام میں کچھ دنوں بحیثیت استاد کام کیا ۱۹۴۰ء میں مولانا امین احسن اصلاحی کے ایماپر جمعیۃ العلماء برما کے مدرسہ میں تدریس کے لئے رنگون کا سفر کیا جہاں ان کا قیام ۱۹۴۴ء تک رہا۔ ۱۹۴۶ء سے ۱۹۴۹ء تک مدرسۃ الاصلاح میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے علاوہ ثانوی درس گاہ، رام پور کے قیام کے ابتدائی سالوں میں نظامت کے ساتھ ساتھ تدریس کی ذمہ داری بھی نبھاتے رہے۔ اس طرح مختلف پس منظر سے تعلق رکھنے والے طلبہ کی کئی نسلوں کو ان کے علم و فضل سے براہ راست استفادہ کا موقع ملا۔ ان کے تلامذہ میں متعدد اصحاب علم و دانش کے نام شامل ہیں۔ اس کے علاوہ وہ بہت دنوں جامعۃ الفلاح، بلیریاگنج کے ناظم رہے اور علالت کے باعث ہی اس سے سبک دوش ہوئے ۔مدرسۃ الاصلاح کی مجلس منتظمہ اور مجلس تعلیمی کے بھی مدتوں رکن رہے۔

مولانا کی ذاتی زندگی ان تعلیمات و نظریات کا عکس تھی جنکی نشرواشاعت کے لئے ان کی زندگی وقف تھی۔ شعائر دینیہ کی پابندی، تقویٰ اور معاملات میں غیر معمولی احتیاط وہ عناصر تھے جن سے انکی زندگی عبارت تھی۔ ان کے یہاں سادگی تواضع اور وقار کا بڑا خوبصورت امتزاج پایا جاتا تھا۔ حب شہرت و جاہ ان کی کبھی کمزوری نہیں رہی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کو وہ اعتراف و شہرت نہیں ملی جس کے وہ اپنے علم و فضل کے باعث بجا طور پر مستحق تھے لیکن ان کو ستائش کی تمنا تھی نہ صلہ کی پروا۔ اسی طرح وہ فتنہ معاصرت سے یکسر آزاد تھے۔ یہ وہ خوبیاں ہیں جو مشکل ہی سے ایک جگہ جمع ہوتی ہیں۔ وہ طویل عرصہ سے مختلف بیماریوں کی زد میں تھے جن کی وجہ سے ان کے شب و روز سخت ذہنی اور جسمانی تکلیف میں گزرتے تھے لیکن ان حالات کا بھی انھوں نے بڑی پامردی اور صبر و شکر کے ساتھ سامنا کیا۔ اپنی زندگی کے ابتدائی ایام میں انھوں نے خدمت دین کا جو عہد اپنے پروردگار سے کیا تھا اپنی پوری زندگی اور تمام تر صلاحیتیں اس کی تکمیل میں لگادیں۔ اس سے بڑی سعادت کا اور کیا تصور کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان سب کا بہترین اجر دے اور ان کو اپنی رحمتوں سے ڈھانپ لے۔ آمین۔

۲۵/دسمبر ۱۹۹۸ء